سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے

صحابہ رضؓ

طالب الہاشمی

حضرت عمرو بن سعید اموی رضؓ

حضرت عمرو بن سعید امویؓ

(۱)

غزوۂ تبوک (۹ ہجری) کے بعد سرورِ عالم ﷺ کو ایک ایسے جاں نثار کی ضرورت محسوس ہوئی جو دیانت و امانت سے متصف ہونے کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی انتظامی صلاحیت سے بھی بہرہ ور ہوں۔ اس سلسلہ میں آپؐ کی نگاہِ انتخاب اپنے جس شیدائی پر پڑی وہ بنوامیہ کے چشم و چراغ تھے اور تمام مطلوبہ اوصاف کے حامل تھے۔ حضورؐ نے انھیں خیبر، فدک اور تبوک کا عامل مقرر فرمایا اور اپنی دعاؤں کے ساتھ مدینہ منوّرہ سے روانہ فرمایا۔ یہ صاحب اپنے فرائض مفوّضہ نہایت حسن و خوبی اور تندہی سے انجام دیتے رہے یہاں تک کہ سرورِ عالم ﷺ وصال پا گئے۔ انھوں نے یہ روح فرسا خبر سنی تو فرطِ الم سے نڈھال ہو گئے اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ مدینہ منوّرہ واپس آ گئے جہاں حضرت ابوبکر صدیقؓ مسند نشینِ خلافت ہو چکے تھے۔ خلیفۃ الرسول نے انھیں پھر عہدِ رسالت کے عہدے پر واپس بھیجنا چاہا اور ان سے فرمایا، تم سے بڑھ کر اس عہدے کا مستحق کون ہو سکتا ہے؟ انھوں نے یہ کہہ کر واپس جانے سے معذرت کی کہ اے خلیفۃ الرسول، رسول اللہ ﷺ کے بعد میں اس قسم کی کوئی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتا۔

سرورِ کائنات ﷺ کے یہ جاں نثار جن پر حضورؐ کو غیر معمولی اعتماد تھا اور جو حضورؐ کی وفات کے بعد کسی قسم کا منصب اور عہدہ قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے، حضرت عمرو بن سعید اُموی تھے۔

(۲)

سیّدنا ابوعقبہ عمرو بن سعیدؓ ''السابقون الاوّلون'' کی مقدّس جماعت کے ایک رکن تھے

اور اپنے اخلاص فی الدّین اور دوسرے اوصافِ حمیدہ کی بہ دولت اہلِ حق میں بڑا بلند مقام رکھتے تھے۔ان کا تعلق بنواُمیّہ سے تھا۔سلسلۂ نسب یہ ہے:

عمرو بن سعید بن عاص بن امیہ بن عبدِشمس بن عبدِمناف بن قصی۔

والدہ کا نام صفیہ تھا جو بنومخزوم سے تھیں اور حضرت خالد بن ولیدؓ کی پھوپھی تھیں۔

حضرت عمروؓ کے والد اور دادا سخت مشرک تھے لیکن ان کے بڑے بھائی خالد بن سعیدؓ نہایت نیک فطرت تھے۔سرورِ عالم ﷺ نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو انھوں نے بلا تامّل اس پر لبیک کہا۔حضرت عمروؓ بھی سعید الفطرت تھے۔انھوں نے بھائی کی پیروی کی اور ان کے قبولِ اسلام کے چند دن بعد وہ بھی حلقۂ بگوشِ اسلام ہوگئے۔باپ اور دوسرے اہلِ خاندان نے ان پر قبولِ اسلام کے ''جرم'' میں بے پناہ سختیاں کیں لیکن نشۂ توحید ایسا نہیں تھا جو سختیوں کی ترشی سے اتر جاتا۔اسی زمانے میں ان کے بھائی ابان بن سعید نے (جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے) دونوں بھائیوں کی ہجو کہی جس کا ایک شعر یہ تھا:

الا لیت میتا بالظریبة شاهد
لما یفتری فی الدین عمرو و خالد

یعنی کاش ظریبہ میں موت کی نیند سونے والا (سعید بن عاص بن امیہ جو ظریبہ میں دفن تھا) دیکھتا کہ عمروؓ اور خالدؓ نے دین میں کیا افترا کیا ہے۔

حضرت عمرو بن سعیدؓ بھی شعروشاعری میں درک رکھتے تھے انھوں نے یہ ہجو سنی تو انھوں نے بھی اس کا جواب نظم میں دیا جس کا مقطع یہ تھا:

ندع عنک میتا قد مضی بسبیله
و اقبل علی الحق الذی هو اظهر

یعنی اب اس موت کی نیند سونے والے کا ذکر چھوڑو وہ اپنا راستہ لے چکا اور اس حق کی طرف آؤ جس کا حق ہونا بالکل ظاہر ہے۔

جب مشرکین کا ظلم وستم حد سے بڑھ گیا تو ۵ بعدِ بعثت میں حضوؐر نے مسلمانوں کو حبش کی طرف ہجرت کرنے کی ہدایت فرمائی۔چناں چہ اس سال ایک چھوٹا سا قافلہ عازمِ حبشہ ہوگیا۔اگلے سال تقریباً سو ذکور واناث پر مشتمل ایک بڑے قافلے نے حبش کی طرف ہجرت کی اس میں

حضرت عمرو بن سعیدؓ، ان کی اہلیہ حضرت فاطمہ بنتِ صفوان کنانیہؓ اور بھائی حضرت خالد بن سعیدؓ بھی اپنی اہلیہ کے ہم راہ شامل تھے۔ حضرت عمروؓ اور حضرت خالدؓ اپنے اہلِ خاندان سمیت تیرہ برس تک حبش میں غریب الوطنی کی مصیبتیں جھیلتے رہے۔ غزوۂ خیبر کے زمانہ میں حبش سے مدینہ آئے۔ گو وہ اس میں شریک نہ ہو سکے تاہم حضورؐ نے مالِ غنیمت میں ان کا حصہ بھی لگایا۔

(۳)

مدینہ آنے کے بعد حضرت عمرو بن سعیدؓ فتح مکہ کے موقع پر ان دس ہزار قدوسیوں میں شریک ہوئے جن کے بارے میں سینکڑوں سال پہلے "کتابِ استثنا" میں اس طرح اشارہ کیا گیا تھا:

> "خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا، فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں (نورانی) شریعت ان کے لیے تھی۔"

غزوۂ فتح (۸ ہجری) میں حضرت عمرو بن سعیدؓ نے حضورؐ کی ہم رکابی کا شرف حاصل کرنے کے بعد غزوۂ حنین، اور غزوۂ طائف میں دادِ شجاعت دی۔ جیشِ عسرۃ (غزوۂ تبوک) میں بھی حضرت عمرو بن سعیدؓ ان تیس ہزار سرفروشوں میں شامل تھے جنھیں مدینہ منوّرہ سے سرحدِ شام تک تین سو میل کے پُرصعوبت سفر میں سرورِ عالم علیہ کی ہم رکابی کی سعادت نصیب ہوئی۔ غزوۂ تبوک سے واپسی پر حضورؐ نے انھیں مدینہ منوّرہ کے مغربی علاقوں خیبر، فدک اور تبوک وغیرہ کا عامل مقرر فرمایا۔ حضورؐ کے وصال کے بعد وہ مدینہ منوّرہ واپس آ گئے ـــ ابھی واپس آئے تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ سلطنتِ روم سے معرکہ آرائی کا آغاز ہو گیا۔ شام اس زمانے میں رومی سلطنت کا حصہ تھا۔ خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شام پر فوج کشی کی تو حضرت عمرو بن سعیدؓ شام جانے والے مجاہدین میں ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے شریک ہو گئے۔ دو تین معرکوں کے بعد مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان اجنادین کے مقام پر نہایت سخت لڑائی ہوئی (۱۳ ہجری)۔ حضرت عمرو بن سعیدؓ اس معرکے میں بڑی بے جگری سے لڑے اور کئی بار دشمن کی صفوں کو درہم برہم کر دیا۔ ایک نازک موقع پر جب دشمن نے مسلمانوں پر زبردست دباؤ ڈال رکھا تھا، انھوں نے مسلمانوں کو ثابت قدمی اور استقلال کی تلقین کی اور پھر یہ کہتے ہوئے کہ میں

مسلمانوں کے قدموں میں لغزش آتے نہیں دیکھ سکتا، مردانہ وار دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ جو سامنے آیا اسے مار گرایا اور برابر رومیوں کے قلبِ لشکر کی طرف بڑھتے گئے۔ آخر بے شمار رومیوں نے اس مردِ مجاہد کو گھیر لیا اور تیروں تلواروں اور خنجروں کا مینہ برسا دیا یہاں تک کہ ان کا سارا بدن زخموں سے چھلنی ہو گیا۔ جب تلوار چلانے کی سکت نہ رہی تو زمین پر گر گئے اور جامِ شہادت پی کر خلدِ بریں میں پہنچ گئے۔ علامہ بلاذریؒ کا بیان ہے کہ ان کے جسم پر تیس سے زیادہ زخم شمار کیے گئے۔ حضرت عمرو بن سعیدؓ اور ان جیسے دوسرے شہیدوں کا خون رائگاں نہ گیا۔ رومیوں کو عبرت ناک شکست ہوئی اور وہ اپنے ہزاروں آدمی کٹوا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

حضرت عمرو بن سعیدؓ نے اپنے جوشِ ایمان کے جو نقوش صفحۂ تاریخ پر ثبت کیے وہ ہمیشہ مسلمانوں کے خون کو گرماتے رہیں گے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ